© rasailojaraid.com

اے آنکہ بخواب صد تماشا دیدی ۔۔۔ باغ و چمن و بہار و گلہا دیدی
نیرنگی "عالم مثالت" کل کرد ۔۔۔ پنہاں بتو بود آنچہ پیدا دیدی

غالب کی یہ مثال وجود عالم کے بارے میں بڑی ندرت رکھتی ہے اور آغاز عالم کی کیفیت سمجھانے کے لیے بہت مفید ہے جیسا کہ ہم "وحدۃ الوجود" کے زیر عنوان نقل کر چکے ہیں۔
غرضکہ ہندی شاعر اعظم کا ہر شعر معنویت رکھتا ہے اور تشریح طلب ہے مگر افسوس کہ صفحات کی تنگ دامانی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتی ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ۔۔۔ گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد

آخر میں یہ گذارش ہے کہ آپ صفحات مذکورہ میں فلسفۂ ویدانت، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود کا مطالعہ کر چکے ہیں، غالب کے چند فلسفیانہ اشعار کی تشریح و توضیح بھی پڑھ چکے ہیں۔
ان جملہ مکاتب خیال میں فروعی اختلاف کے باوجود ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے وجود حقیقی پہ ایمان لانا! روحانی قدروں کو تسلیم کرنا!

فی الوقت دنیا مادیت اور لا مذہبیت کا شکار ہے، خاصکر ہمارا ہندوستان بابا آدمؑ کے توحیدی تصور کو بھول چکا ہے اور اشتراکی تصور کی دلدل میں پھنس کر امن و سلامتی کی زندگی کھو چکا ہے، دلوں کا اطمینان جاتا رہا ہے اور ملک میں "فرقہ واریت" انتہا کو پہنچ چکی ہے۔
ہنگامہ تاتار کے بعد جو ذہنی اور فکری انتشار پیدا ہو گیا تھا اس سے کہیں زیادہ اب موجود ہے ہمارے صوفیاء اور حقیقت پسند شعراء نے اس کا ایک ہی علاج تجویز کیا تھا اور وہ تھا۔ وحدۃ الوجود! آج بھی یہی فلسفہ ہمارے اندر وحدت و یکجہتی اور قومی اخوۃ و رواداری پیدا کر سکتا ہے اور دیگر مذاہب کا احترام ہمیں سکھا سکتا ہے۔ غالب بھی ہرنجان مرنج اور صلح کل شاعر تھا وہ کسی سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتا تھا ؎

آزاد رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ۔۔۔ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

غالب کا یہ مسلک اسی لیے تھا کہ وہ موحد تھا اور توحید کا قائل تھا ؎

© rasailojaraid.com

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم   ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

کیا ہمارے ملک کے مفکرین اور جمہوری حکومت کے قائدین غالب کے فلسفہ بلکہ خود اپنے بزرگوں کے توحیدی نظریہ کو اپنانا چاہتے ہیں؟

کیا واقعی دل سے اپنانا چاہتے ہیں؟ دل کی دنیا بسانا چاہتے ہیں؟

انسان جسم اور روح سے بنا ہے، عالم مادیات میں انسان کا عنصری نفس بدن کے ارتقاء کا بلند ترین مادی مظاہرہ ہے اس کے بالمقابل روح، عالمِ روحانیات میں حقیقتِ کبریٰ کے تنزل کا روشن ترین لطیفہ ہے۔ دل نفس اور روح دونوں کے میل ملاپ اور معاشقہ کا حسین ترین نتیجہ ہے۔ بس اگر باہم عشق و محبت نہیں، تطہیر و تزکیہ نہیں تو دل بھی نہیں اگر دل نہیں تو زندگی بھی نہیں زندگی کی بہاریں بھی نہیں!

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

انوار الباری شرحِ اردو صحیح بخاری شریف

تالیف مولانا سید احمد رضا بجنوری، تلمیذ علامہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

بخاری شریف کا مکمل عربی متن مع ترجمہ و شرح، پھر ہر اہم موضوع پر سیر حاصل بحث و نظر مکمل حوالوں کے ساتھ تمام مشہور و معتبر شروحِ حدیث اور نادر کتابوں کی نقول، سیکڑوں کتابوں سے بے نیاز کرنے والی، گویا علومِ حدیث کی انسائکلوپیڈیا، علمائے امت کے تفردات و تسامحات کا علمی و تحقیقی جائزہ، پہلی دو جلدوں میں تیرہ سو سال کے اکابر محدثین و ائمہ مذاہب کے مستند حالات، چالیس جلدوں میں سے بارہ شائع ہو گئی ہیں جن کی ضخامت ۲۵۰۰ صفحات ہے۔ عام قیمت -/۹۶ روپے ممبران کے لیے فی حصہ تین روپے علاوہ محصول ڈاک

نطقِ انور: حضرت علامہ کشمیریؒ کے ملفوظاتِ عالیہ کا گرانقدر ذخیرہ، قیمت ساڑھے دو روپیہ

مکتبہ ناشر العلوم، بجنارہ روڈ، بجنور (یو۔پی)

© rasailojaraid.com

معظم کی مثنویاں

بتصحیح و تقدیم مولانا ابو النصر محمد خالدی

محمد حسین معظم قادری بیجاپوری کے کلام کا بیشتر حصہ ابھی غیر مطبوعہ ہے کسی مطبوعہ ماخذ سے ان کے سوانح کا کوئی قابل لحاظ اتا پتا راقم الحروف کو نہیں لگا۔ ان کے کلام ہی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً وہ بیجاپور کے باشندے اور امین الدین اعلی (م ۔ ۲۴ ۔ ۹ ۔ ۱۰۸۵ھ) سے بیعت تھے۔ اپنی ایک مثنوی معراج نامہ کی تاریخ تصنیف ۲۷ رجب سنہ دس سو اسی بتائی ہے (۱) اپنی ایک اور مثنوی گلزار چشت میں برہان الدین غریب کی توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ہندوستان کا بادشاہ اورنگ زیب سے

لیا شہ کی گنبد کا آکر پناہ برکت سوں حق شہ کے بخشے گناہ

اس سے استنباط کیا گیا تھا کہ (۲) گنبد میں پناہ لینے سے مراد اورنگ۔ عالمگیر کا وہاں دفن ہونا ہے۔ اس لیے معظم کا عالمگیر کی وفات تک (۲۸ ۔ ۱۱ ۔ ۱۱۱۸ھ) زندہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ محب مکرم جناب مبارز الدین صاحب رفعت نے بتایا اور غالباً ٹھیک بتایا کہ یہاں خوش فہموں اور زود یقینوں کی اتباع میں معظم نے ایک عوام پسند چلی ہوئی بات کا ذکر کیا ہے کہ جب سنہ ۱۰۶۹ھ میں یہودی الاصل سرمد کہ بعشق ہندو بچہ مبتلا شدہ زیست می کرد بفتوائے ارباب شرع بعلت الحاد و ارتداد و زندقہ و بے دینی بحکم عالمگیر از لباس حیات عاری گردید" (۳) تو نیند لگتے ہی سرمد اس کے خواب میں آکر دھمکایا کرتے تھے اس سے عالمگیر کی نیند اچٹ جاتی تھی۔ چھٹکارا پانے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تا آنکہ اس نے دکھن آکر برہان الدین غریب کی درگاہ پر حاضری دی اگرچہ "برکت سوں حق شہ کے بخشے گناہ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ توجیہ صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معظم سنہ ۱۰۹۲ھ تک تو بہرحال بقیدِ حیات تھے کہ محمد محی الدین بحیثیت شہنشاہ ہند اسی سنہ میں دکھن وارد ہوئے۔

رہی روایت یا کہانی کی حیثیت سو اس کا بے اصل ہونا دونوں واقعوں کے درمیان کی چوبیس سالہ طویل عرضِ مدت ہی سے ظاہر ہے۔

محولہ بیت کے سلسلہ میں دو باتیں اور توجہ طلب ہیں۔

الف۔ معظم نے محمد محی الدینؒ کو گناہ گار، برہان الدین غریب کی کرامت نمایاں کرنے کے لیے کہا ہے ورنہ اسی بیت سے پہلے وہ اس کو بے شک دریب حق سبحانہ کا مقبول لکھ چکے ہیں۔

ب۔ ان ابیات کے سوا محمد محی الدین کی مدح میں معظم نے گیارہ ابیات کی جو غزل (۴) لکھی ہے اس میں بھی وہ اس حکمران کا ذکر بصیغہ حال کرتے ہیں۔

محولہ غزل یوں ہے (بحر رجز مثمن سالم)

حق کے کرم اور رحم سوں چھتر ہے عالم گیر کا
برتو نبی کے نور سے پرتو ہے عالم گیر کا

برحق ولی اور بادشہ کیتے جیسے ظلِّ الٰہ
مریخ سے ترکِ فلک نوکر ہے عالم گیر کا

صاحب قِراں عالی سپاہ توں حکم چاروں دانگ پر
کئی یک ہزاراں بادشاہ چاکر ہے عالم گیر کا

او قاتلِ کفار ہے کیتے ظفر پیکر سے جیسے
دین دار کیتے دین کا لشکر ہے عالم گیر کا

جس پر کرم خواجہ کیے برحق او زندہ پیر ہے
ہر ٹھار پر اللہ آپیں رہبر ہے عالم گیر کا

نوبس و قدرت سا ہاتھ میں حق نے دیا جس کے کماں
سیفی کیے سو تیر ہے تیغ جس ہے عالم گیر کا

پنج وقت جا کعبہ منے کرتا ہے او جا کر نماز
قرآن لکھنے رات دن دلبر ہے عالم گیر کا

جس کے عدالت کا طبل آفاق پر بجتا مدام
ہر ملک ہور ہر شہر میں تو ڈر ہے عالم گیر کا

جیوں میک ڈمبر ہو سوار کرتا ہے رخ جب دل طرف
کیتے دل کیتی کھوندلا سٹیا تھر ہے عالم گیر کا

شمشیر کو کر کر علم رکھ جہد پر ثابت قدم
تو صاحب سیف و قلم وہ در ہے عالم گیر کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھا معظم خلق ہو رہا نوا رشہ کے کہ اوپر سالار کہتے اوس سفر ہر برہے عالم گیر کا مقطع کے مصرع اولی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معظم شاید یا غالباً محمد محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں۔ کہاں؟ کس وقت؟ کن حالوں میں؟ میرا خیال ہے کہ یہ اطلاعیں دکھن کی تہذیبی و معاشری تاریخ کے لیے نہایت کارآمد ہوں گی بہرطور گو بالکل واضح تو نہیں تاہم قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معظم نے یہ غزل بیجاپور پر عالمگیر کے قبضہ کے بعد سرانجام دی ہے۔ یہ تو بالکل عیاں ہے کہ وہ محمد محی الدین عالمگیر کے کارناموں کو لائق تحسین و ستائش سمجھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بیجاپور و گولکنڈہ پر عالمگیری قبضہ ان علاقوں کے عوام کو ناپسند و ناگوار رہا ممکن ہے ایسا ہوا ہو لیکن یہاں کے دینی راہنماؤں اور روحانی پیشواؤں نے تو اس پر ذرا بھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا بلکہ عالمگیر کے اس عمل پر خوش ہوئے اور اس کے ثناخواں رہے۔ اور ان میں قصہ ابوشحمہ کے مصنف اور آیا گولکنڈوی اور شیخ محمد ضعیفی جیسے علماء اور بحری اور معظم جیسے صوفیائے بیجاپور بھی شامل ہیں (۵) ان بزرگوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا مفصل جواب اس وقت دیا جاسکے گا جب اس عہد کے تاریخی و ادبی پیداوار کا معتد بہ حصہ چھپ کر عام ہو جائے۔ صرف عشقیہ داستانوں کی اشاعت اس کے لیے ناکافی ہے اس لیے میں برائے تاکید اپنی گذارش مکرر ثبت کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم اردو اور اس سے متعلق دوسرے فنوں کی باقاعدہ تدوین و ترتیب کے لیے قدیم دکھنی ادب پاروں کی اساسی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے ساتھ دکھن کے مسلمانوں کی تہذیبی و فکری (اور کچھ تمدنی) تاریخ مرتب کرنے اور اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے بھی یہ ادب کچھ کم اہم نہیں ہے۔

معظم کے کلام کی تصحیح و تقدیم کا مقصد بھی یہی ہے ان کے کلام کا سب یا بیشتر حصہ شائع ہونے پر ہی اس کے مالہ و ماعلیہ پر گفتگو کی جاسکے گی۔ فی الحال ان کی مثنویاں پیش خدمت ہیں امید ہے کہ اصحاب علم اپنی تنقید سے مستفید فرمائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت تک کی (مطبوعہ) معلومات کے اعتبار سے شجرۃ الاتقیا (۲) گلزار چشت یا رسالہ وجود یہ سوائے کتب خانۂ مختاریہ (سالار جنگ) کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکا اس لیے مقابلہ و مقارنہ کا کوئی امکان نہیں رہا۔

تینوں مثنویوں میں کہیں ان کی تاریخ تصنیف نہیں پائی گئی

شجرۃ الاتقیا میں عنوانوں کی جگہ خالی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انھیں غالباً سرخ روشنائی سے لکھنے کا ارادہ تھا مگر کاتب کو اس کا موقع نہیں مل سکا جس مسودہ سے یہ نقل ہوئی ہے اس سے شائد باقاعدہ مقارنہ بھی نہیں ہوا کیوں کہ کہیں کہیں املا کی غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ جہاں تصحیح ضروری معلوم ہوئی وہاں اصل بھی نقل کر دی گئی ہے۔

اس مثنوی کا ستاون واں شعر ہے۔

ہوا حکم امر خاتم الانبیاء اسے نام رکھ شجرۃ الاتقیاء

اور اس کے آخر سے تیسرا شعر یوں ہے

اتا پانچ سو بیت بولا ہوں میں جو بولو کہے سوچ کھولیا ہوں میں

مگر یہاں صرف چار سو چھیالیس ابیات ہیں ان میں بھی بیت نشان ایک سو دو بیت نشان اکیانوے کی ہو بہو نقل (تکرار) ہے مثنوی بحر متقارب میں ہے جب ضرورت عروض و ضرب کہیں محذوف کہیں مقصور۔

شجرۃ الاتقیا میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے چار اصحاب کے بعد محمد حسینی گیسو دراز کی کرامتوں کا ذکر ہے سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کا نام اسی ضمن میں ہے گیسو دراز کے بعد ان کے خلیفہ شاہ جمال (خواجہ) کمال (الدین) مغربی کا ذکر ہے کہ مدارج سلوک طے کرنے کے بعد حسب ارشاد مرشد خضر کی معیت میں خراسان و سیلان اور عرب و عجم کا سفر کرکے گلبرگہ واپس پھرے۔ اس وقت مرشد کا انتقال ہو چکا تھا غیبی اشارہ پاکر بیجاپور میں اقامت اختیار کی۔ اسی زمانہ میں میراں جی مدینہ منورہ سے بشارت پاکر بیجاپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے اور شاہ کمال سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال نے ان کو اپنی خلافت دی اور خود ـــــ ع
کیے رخ جنگل بیابان کا۔ میراں جی کے صلب سے برہان الدین پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد سے بیعت کی اور والدہ سے اجازت لے کر سفر پر روانہ ہوئے۔ تین سال بعد واپس ہوئے تو اتنے لوگوں کو مرید کیا جن کا شمار دشوار ہے۔ خلیفوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ کتابوں کے ذریعہ ان کا کلام بلخ، بخارا، روم و شام تک پھیل گیا۔ وفات کے وقت اپنے ایک خلیفہ سید صاحب گھر کے یہاں کلاہ و شجرہ امانت رکھتے ہوئے فرمایا میری اہلیہ حاملہ ہے اس کے لڑکا ہوگا۔ میں تمہیں اس کی تعلیم و تلقین کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ لڑکا تولد ہوا۔ امین الدین نام پایا۔

امین الدین بدو شعور ہی سے پیدائشی ولی ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک سنیاسی نے پارس پتھر نذر کیا تو انھوں نے اسے تالاب میں پھینک دیا، سنیاسی نے ہائے وائے کی تو کہا جا اور اپنا پتھر اٹھالا! وہ پانی پر چلتا ہوا گیا اور اپنا پارس پتھر اٹھا لیا!!

یہ دریائے وحدت میں ایسا غرق رہتے تھے کہ نماز جمعہ ترک ہوجاتی تھی ـــ بے جاپوری کے ایک حافظ ذفاری سید بخاری نے توجہ دلائی تو فوراً شاہ پور تالاب پر مصلا بچھا نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ سید بخاری تک خبر پہنچی تو ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔ پھر انھوں نے اپنے ایک مرید سید خداوند کے ذریعہ ان کے یہاں کہلا بھیجا کہ شہ نبی نے احادیث میں یوں کہتے کہ عبادت ایک ظاہر کی ہے اور ایک باطن کی۔ اولیا باطن میں روزہ نماز کرتے ہیں۔ شریعت پر قائم رہنے والے زاہد و عابد، طریقت برتنے والے عارف، حقیقت پر مائل عاشق اور معرفت حاصل کرنے والے واصل ہیں۔

رسول اللہ صلعم نے جو کچھ فرمایا سچ ہے کہ ع شریعت بجز راہ دستا نہیں۔ اور یہ کہ شریعت زمین، طریقت درخت، حقیقت پھل اور معرفت اس کا تخم ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا ہے: شریعت رات، طریقت ستارے، حقیقت چاند اور سورج معرفت ہے۔ یہ بھی آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلعم ہی کا ارشاد ہے کہ : شریعت کشتی ، طریقت ندی ، حقیقت صدف اور معرفت موتی ہے ۔ آپ صلعم کا قول ہے : شریعت قول ، طریقت فعل حقیقت حال اور معرفت ذات ہے

سید بخاری نے یہ باتیں سنیں اور مان لیں تو پھر اس دن سے بکثرت لوگ امین الدین کے مرید ہوئے اور "خود میں نے دیکھا کہ لاکھوں زنار اور لاکھوں جنگموں نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ کے روبرو سجدے میں گر پڑے"۔

امین الدین کے فرزند شاہ علی بابا نے معظم نے ان کی تعریف و توصیف کرکے دنیا ترک کرنے اور شراب معرفت کے نشہ میں سب کچھ بھلا دینے کی تلقین فرماتے ہوئے مثنوی ختم کردی ۔

مثنوی میں بیان شدہ خرق عادت اعمال سے صرف نظر کے معنوی استفادہ کے لیے اسکے کم از کم دو بیانیہ مقاموں پر توجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں دکنی بیجاپوری مسلمانوں کے دینی پیشواؤں نے نہایت بے باکانہ جرأت کی کہ رسول صلعم سے ایسے اقوال بار بار منسوب کیے جو سوائے اُن کے کسی اور سا اہل علم کے پڑھنے یا سننے میں نہیں آتے تھے ۔

اسی کے ساتھ یہ شہادت بھی جوڑ دیئے کہ آپ صلعم کی سیرت کا بہت بڑا اور اہم حصہ جو روایتاً مشہور و متواتر اور درایتاً معتدل اور معقول ہے اس کا ان کی تحریر میں کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا ۔

کہتے ہیں کہ گیسو دراز علیہ الرحمتہ کے پیش امام کمال الدین علم حصولی میں کامل تھے ۔ جب بیعت کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا: کسی علم بھول کر کفر و اسلام و خواہش و آمام ترک کرکے اپنے آپ کو پیر میں ضم کرو ۔ اس کو رسول مانو اور ذات سے نبی کی نفی کرو۔ تو بقا حاصل ہوگی ۔ کمال الدین نے بے چوں و چرا یہ باتیں مان لیں ۔ مرید ہوئے اور بلند مرتبہ پایا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ معظم کا بیان ہے مگر تحریری نوشتوں اور زبانی روایتوں سے کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ گیسودراز علیہ الرحمتہ نے تحصیلِ علم بھلا کر کفر و اسلام کا فرق نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ ان پر الزام بلکہ اتہام ہے۔

یہی معظم لکھتے ہیں:- جب حافظ و قاری سید محمد بخاری نے امین الدین کو جمعہ کی نماز یاد دلائی تو انھوں نے سطحِ آب پر بغیر ڈوبے دوگانہ ادا کیا۔ سید بخاری کرامت سے مرعوب ہوئے لیکن معتقد نہیں ہوئے تا آں کہ سید خداوند نے اپنے پیر کی طرف سے انھیں رسول اللہ صلعم کی حدیثیں سنائیں۔

جس دن سے سید بخاری نے خضر امیں کا حکم اور خدا کا امر مان گئے اسی روز سے امین الدین کے برحق ہونے کی شہرت ہوئی اور عوام جوق در جوق ان کے یہاں حاضر ہونے لگے۔

پہلی صورت میں ایک عالم اپنے مرجعِ خلائق مقتدیٰ کی بات فوراً مان لیتا ہے دوسری صورت میں تکلیفِ شرعی سے آزاد ہونے کا اظہار خرقِ عادت فعل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ حاملِ شریعت اس کو تسلیم نہیں کرتا لیکن اللہ کے رسول کا فرمان بسر و چشم قبول کر لیتا ہے۔ صوفی کی ولایت بھی اسی وقت مسلّم ہوتی ہے جب مُلّا اس کی تصدیق کرتا ہے۔

کیا معظم نے یہ سب کچھ (یا بیشتر) مطابقِ واقعہ قلمبند کیا ہے یا اپنے تخیلات نظم کئے ہیں؟

بہر تقدیر غور و فکر کرنے والوں کے لیے مواد فراہم کرنے کی اپنی سی کوشش جاری ہے۔

پیشِ نظر دوسری مثنوی سابقہ مثنوی کی طرح بحرِ متقارب میں ہے اس کا نام گلزارِ چشت معظم ہی کا دیا ہوا ہے کہتے ہیں ؎

مبارک رکھا نام گلزارِ چشت — بڑھے یا سنے سو وہ پاوے بہشت

بیت نشان ۳۵۴۔ اس سے پہلے ہے ؎ یہ سب چار سو دیکھ ابیات ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر موجودہ مخطوطہ میں ابیات کی تعداد صرف تین سو انہتر ہے۔ زین العابدین کی مدح کا آخری شعر ہے ؎

کئے جب شہنشہ کرم کا نظر ہوا ختم بائیس خواجہ اُپر

اس راقم کو کچھ ایسا اندازہ ہوا کہ شائد مثنوی میں بائیس چشتی بزرگوں کا ذکر ہو گا۔ شمار کیا تو صرف سترہ ہی نکلے۔ معین الدین چشتی، قطب الدین، فرید الدین، نظام الدین، منتجب الدین، برہان الدین اس کے بعد شائد انہیں کے خلیفوں کا ذکر ہے۔ نام یہ ہیں۔ شاہ راجو قتال، حسن شیر، پیر بخاری، پیر سانگڑے سلطان، جلال الدین گنج رواں، زین الدین (۸) اس لحاظ سے گنتی میں غلطی ہے یا موجودہ مخطوطہ نسخہ سے تقریباً انتیس یا تیس ابیات ساقط ہیں یا یہ کہ درج بالا مصرع میں وہ اشارہ نہیں ہے جس طرف میرا ذہن گیا۔

بہر طور گلزار چشت باعتبار مضامین بزرگوں کی زیادہ تر تو خرقِ عادت کراموں اور کمتر ان کی مخصوص عادت یا تعلیم پر مشتمل ہے۔ جن بزرگوں کے احوال درج ہیں ان میں چار یا پانچ نام اولیائے دکن کے متداولہ تذکروں میں نہیں پائے گئے۔ جیسے پیر تین دھڑی شاہ کالے، موسی دیوزد شاہ پیر غازی اور شاہ حسین۔

نام والی بیت کا دوسرا مصرع یعنے جو پڑھے اور سنے سو وہ پاوئے بہشت بھی قابل توجہ ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اس نظم پر تبرک و تقدس کا رنگ چڑھانے اور اس کے پڑھنے اور سننے کو ایک مستحب فعل قرار دیتے ہیں خواہ استحباب کا درجہ کتنا ہی کم تر کیوں نہ ہو۔ انھوں نے ایسی چیزوں کو غالباً اس اصل پر قیاس کیا جس میں قران پڑھنے، سننے اور لکھنے پر ثواب کی بشارت آئی ہے (۸)، متبرک و مقدس تحریروں کے پڑھنے اور لکھنے کی یہ قدر ہندِ قدیم میں بھی مانی گئی ہے۔ مہابھارت کی ضمنی حکایتوں کے آخر میں آتا ہے کہ جو کوئی اس کو پڑھے گا یا سنے گا اس کو یہ اور یہ اجر ملے گا۔ دو نمونے ملاحظہ ہوں (۹)

اگر شردھا شی فرماتے ہیں: جو لوگ گرو رجی کی اس مہاتم کو صدق دل سے سنیں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا اہل عالم کو سنائیں گے انہیں گرط رحمی کی برکت سے ان کی نجات میں شک نہیں۔
دستوت جی کی پستر کا بیان کہ جو شخص سرپ جگیہ سنے گا یا پڑھے گا اسے سانپ کے زہر سے خوف وخطر نہ ہو گا۔

مذہبی رنگ کی تحریروں سے اس طرح استفادہ کرنے کی ترغیب معظم کے سوا بعض اور دکھنی شاعروں نے بھی کی ہے یہاں بطور نمونہ دو مثالیں پیش ہیں ایس گجراتی کے قصیدے کی آخری بیت ہے۔

مطلب مجھے اتنا چ ہے جو اس قصیدہ کو سنے　　دے فاتحہ اخلاص سوں پھر کر مجھے بخشے اجر

اس کی اتباع میں مکین کا شعر ہے ؎

جو کوئی اس کو پڑھ کر منگے مدعا　　خدا اس کو دیوے گا نادر جزا

اور اسماعیل کے گلشن نامہ کے ایک نسخہ کی آخری بیت ہے۔

جب کوئی پنجشنبہ کو پڑھے گلشن　　خدائی کرے گا اسے بہتری

بضمن تصحیح جو رموز استعمال کیے گئے ان میں جملہ خفت ، خارج از تقطیع اور رق وقیام وزن کے لیے یہ اس لیے کہ:

قدیم اردو شعرا مسلمہ شعری ضرورتوں کے سوا بھی لفظوں کے لہجہ میں تغیر کر دیتے ہیں۔

عربوں کے پاس شعری ضرورتیں حسب بیانِ زمخشری ؎

ضرورۃ الشعر عشر عِدّ جملها　　وصل و قطع و تخفیف و تشدید

مدّ و قصر و اسکان و تحریک　　و منع صرف و حرف ثم تعدید

ان میں سے دو یا تین چھوڑ کر، کہ عربی سے خاص ہیں، باقی ضرورتوں کو ایرانی شاعروں نے بھی تسلیم کر لیا اور ان کی اتباع میں اردو والوں نے بھی۔ مگر ان ضرورتوں سے استفادہ کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی چند موقع ومحل ہیں۔ تفصیل عروض کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ قدیم اردو شعراء ان مقاموں کے سوا بھی لفظوں کے سکون وحرکت میں تغیر کردیتے ہیں۔ ایسا کرنے کی وجہ ضرورت شعری سے قطع نظر، زبان کی تکوینی حالت اور ان کا مخصوص لہجہ بھی ہے۔ اس ادبی عنصر کو بعض لوگ یوں بیان کرتے ہیں: "دکھنی شعراء جیسا بولتے تھے ویسا ہی باندھتے تھے بلکہ نثر میں بھی ایسا ہی لکھتے تھے"، مگر یہ بھی ہر جگہ ہر وقت درست نہیں ہے۔ ایک ہی طویل نظم میں بلکہ بعض اوقات غزل تک میں بھی دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔

ہمارے خارج از تقطیع یا برائے قیام وزن بتلانے کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اس مقام پر ایسا او رایسا پڑھنا چاہیے اس کی علت بتانے کی کوشش نہیں کی گئی کہ میں اپنے آپ کو اس موضوع پر کچھ کہنے لکھنے کا اہل نہیں پاتا۔

رہی فرہنگ الفاظ سو اس کے متعلق یہ جان لیجئے کہ معنی بتانے کے لیے جو الفاظ منتخب کیے گئے ہیں وہ محض شخصی و ذاتی صوابدید پر منحصر ہے۔ اگر کوئی چاہے تو بلا تکلف کہہ دے کہ اس میں غریب الفاظ کے معنی تو بہت کم دیئے گئے ہیں اور آسان الفاظ کے معنی زیادہ۔ پہلے ہی عرض خدمت ہے کہ یہ ہر ایک کی پسند کے مطابق بالکل نہیں، زیادہ تر اپنی پسند کے مطابق لکھ رہا ہوں، اور یہ کہ فوق کل ذی علم علیم والکمال للہ۔

(۱) نوائے ادب = ج۔ ۴ ش۔ ۴ بابتہ ۱۹۵۳ بمبئی

(۲) قدیم اردو = ج۔ ۱ ص ۲۲۲ اور آگے ۱۹۶۵ حیدرآباد

(۳) واقعات عالمگیری = عاقل خاں رازی مطبوعات مسلم یونیورسٹی۔ ۱۹۴۵۔ ص ۱۲۱۔ مآثر الامراء = ج۔ ۱ ص ۲۲۶

(۴) نجی خاندانی بیاض اور دیوان۔ ورق ۱۷۔ راقم الحروف جناب ڈاکٹر غلام عمر خاں صاحب ریڈر اردو جامعہ عثمانیہ کا ممنون ہے کہ آپ نے اس غزل کا انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے نسخہ سے مقابلہ فرمایا۔ آخر کے تین شعروں کا اندراج آپ ہی کی وجہ سے ہو سکا۔ اس میں اگر غلطی ہو تو

© rasailojaraid.com